مغرب کے معصوم بچے

عبدالغفار عزیز

مغرب میں لبرلزم نے خواہشات کی بے قید تکمیل کو انسانی زندگی کا مقصد قرار دیا، اور اپنی زندگی اور جسم پر اختیار کو عورت کی آزادی اور نجات کا چارٹر۔ چنانچہ خاندانی زندگی تیزی سے منتشر و منہدم ہونے لگی، اور جنسی بے راہ روی کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ ابلاغ عامہ کے ذرائع کی طرف سے ہر قسم کی فحاشی اور تشدد کی بے محابا اشاعت اور ترغیب نے دو آتشہ کا کام کیا۔ اس کی زد سب سے بڑھ کر بچوں پر پڑی۔ ٹوٹے پھوٹے طلاق زدہ گھر، بے باپ کے گھر، ٹی وی اور دیگر میڈیا--- ان سب نے ایک طرف ننھے منے بچوں کو سنگین مجرم بنا دیا، اور دوسری طرف خود بچوں کے خلاف ناقابل تصور جنسی اور تشدد کے جرائم میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا۔ یہ ایک وسیع موضوع ہے، جس کے صرف ایک گوشہ کی جھلک درج ذیل مختصر سے مضمون میں دیکھی جا سکتی ہے، جو المجتمع، کویت سے ماخوذ ہے۔ (مدیر)

مغرب کی ظاہری چکاچوند کے پیچھے کیا کیا فساد و بگاڑ چھپا ہوا ہے۔ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آیئے چند ایک یورپی ممالک کے بچوں کے خلاف اور خود ان کے جرائم کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مغرب کا معصوم بچپن بھی کس طرح جنس اور تشدد پسندی کے چنگل میں جکڑا جا چکا ہے۔

جرمنی

حکومتی رپورٹوں کے مطابق جرمنی میں گذشتہ ایک سال کے دوران بچوں پر جنسی حملوں کی تعداد ۱۷ ہزار تک جا پہنچی ہے۔ یہ تعداد صرف ان جرائم کی ہے جن کی رپورٹ تھانوں تک پہنچی ورنہ سروے کرنے والے ادارے کا کہنا ہے کہ ان حملوں کی تعداد ۲ لاکھ کے لگ بھگ ہے یعنی ہر ۳ منٹ کے بعد کسی نہ کسی بچے پر جنسی حملہ ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ بچے ہیں جن کی عمر ۱۵ سال سے کم ہے۔

یہ صورت حال کوئی اچانک رونما نہیں ہو گئی، بلکہ مغربی تہذیب کے اہم عناصر --- بے قید

آزادی، خاندانی زندگی کا زوال، اور جنسی جذبات کو بھڑکانے والے فواحش کی کثرت سے اشاعت --- کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ سرکاری سروے رپورٹوں کا کہنا ہے کہ جرمنی میں صرف ایک نسل جوان ہونے کے دوران شادی کا رجحان ۲۵ فی صد کم ہوگیا ہے۔ اس وقت وہاں ایک کروڑ . ۲ لاکھ افراد تنہا زندگی گزار رہے ہیں، جن میں سے ۴۳ فی صد نے شادی کی ہی نہیں۔ شادی کے بغیر مرد اور عورت کے اکٹھا رہنے کے رجحان میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ ۲ کروڑ . ۳ لاکھ شادی شدہ جوڑوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک کروڑ . ۲ لاکھ جوڑے ایسے بھی ہیں جو شادی کے بغیر ایک دوسرے کے شریک حیات ہیں۔ ایک سال میں ہونے والی ۴ لاکھ ۴ ہزار شادیوں میں سے ۳۴ فی صد کا انجام طلاق کی صورت میں نکلا ہے اور یہ نسبت سال ۹۲-۹۳ کے مقابلے میں ۹۶٫۵۱ فی صد زیادہ ہے۔

ایک طرف خاندان کا یہ حال ہے، دوسری طرف بچے ماں باپ کی توجہ سے محروم ہیں۔ بچوں کی ایک تہائی تعداد یتیم خانوں یا حکومتی پرورش گاہوں میں رہ رہی ہے۔ ایک تہائی تعداد ایسی ہے جو شادی نہیں دوستی کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ جو خوش نصیب بچے اپنے والدین کی سرپرستی میں زندگی بسر کر رہے ہیں انھیں والدین کا کتنا پیار اور توجہ نصیب ہوتی ہے؟ اس کا اندازہ ستمبر ۹۴ کی ایک سرکاری سروے رپورٹ سے ہوتا ہے جس میں افراد خانہ کے اوقات کار کا جائزہ لیا گیا تھا۔

اس رپورٹ کے مطابق: ایک جرمن بچے کو ۲۴ گھنٹے میں ماں یا باپ کے وقت میں سے اوسطاً صرف آدھا گھنٹہ نصیب ہوتا ہے۔ جس میں کھانے کا وقت بھی شامل ہے۔ جبکہ ایک ماں روزانہ اوسطاً آدھا گھنٹہ اپنے دوستوں سے فون پر گپ شپ کرتی ہے، اور تقریباً ۵ گھنٹے ٹیلیویژن، سینما، تھیٹر یا دوسرے تفریحی مشغلوں میں گزارتی ہے۔

بچے کے بقیہ ساڑھے تئیس گھنٹے کہاں اور کیسے صرف ہوتے ہیں؟ اس کا جواب بچے کی صرف ایک مصروفیت ہی سے جانا جا سکتا ہے۔ وہ مصروفیت ہے بچے کے ٹی وی کے سامنے اوقات۔ پورے سال میں ایک بچہ روزانہ اوسطاً اڑھائی گھنٹے ٹی وی کے سامنے گزارتا ہے۔ اس دوران وہ روزانہ کم از کم .۵ مناظر قتل کی وارداتوں کے دیکھتا ہے اور بیلے فیلڈ یونیورسٹی کے ایک سروے کے مطابق ان مناظر کا اثر بچوں میں تشدد پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان کی صورت میں نکلا ہے۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ سکول کے بچوں میں تشدد کا رجحان ۱۵ فی صد بڑھا ہے۔ ھومبولڈٹ یونیورسٹی کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق جرمنی کے ایک تہائی طلبہ اب مسلح ہو کر تعلیم گاہوں میں آتے ہیں۔ برلن پولیس کے مطابق شہر میں ہونے والے ۴۵ فی صد متشددانہ جرائم ۱۴ سے ۱۸ سال تک کی عمر کے بچے کرتے ہیں، جبکہ ۵ فی صد جرائم ۱۴ سال سے بھی کم عمر کے بچے کرتے ہیں۔

جرمنی میں جرائم کی عمومی شرح بھی پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے۔ ۱۹۸۰ میں ۳۸ لاکھ جرائم ہوئے تھے، جبکہ ۱۹۹۲ میں ۶۳ لاکھ وارداتیں ہوئیں۔

اوجسبورگ یونیورسٹی کے پروفیسر فیرنر نے اپنے دو سالہ سروے کے بعد ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ پرائمری سکول کے جرمن بچوں میں سے ۵۵ فی صد بچے ایک ہفتے میں ۳ گھنٹے ٹی وی دیکھنے میں گزارتے ہیں۔ ان میں سے ۲۵ فی صد بچوں نے ایسی ایسی فلمیں دیکھیں جن کا دیکھنا بچوں کے لیے ممنوع تھا اور جو جنس اور تشدد پر مبنی تھیں۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ٹی وی کے یہ مناظر بچوں کی روزمرہ زندگی میں تشدد پسندی کا موجب بنے۔

عالم اسلام کے مغرب پرستوں کے لیے یہ اطلاع بھی بے حد اہم ہے کہ اس اخلاقی بگاڑ کے نتیجے میں اب مغربی باشندے حکومت کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے ہیں کہ خدارا ٹی وی پر ان جنسی اور تشدد آمیز فلمی مناظر کا دکھایا جانا بند کیا جائے۔ جرمنی کے ایک بڑے ہفت روزہ "ڈی ٹسایٹ" نے ایک مفصل رپورٹ میں یہ انکشاف کیا ہے کہ ٹی وی پر یہ مناظر دکھانے پر پابندی کے مطالبہ کے لیے اب تک دس لاکھ سے زاید افراد ایک محضرنامے پر اپنے دستخط کر چکے ہیں۔

جرمنی میں جہاں ایک فرد کی اوسط سالانہ آمدنی ۳۲ ہزار مارک ہے، بچوں کی شرح پیدائش خوفناک حد تک کم ہو چکی ہے۔ ایک سروے کے مطابق ۵۶ فی صد شادی شدہ افراد بچوں کے خواہش مند ہیں لیکن وہ جرمن معاشرے میں بچوں کے ساتھ سلوک دیکھ کر بچے پیدا نہیں کر رہے۔ اس وقت بچوں سے محروم جرمن جوڑوں کی تعداد ۸۶ لاکھ ہے۔ ۱۱ لاکھ جوڑوں کے ایک یا ایک سے زیادہ بچے ہیں، جبکہ ۲۶ لاکھ خواتین ایسی ہیں جو بچے کے باپ کے بغیر ایک ایک بچے کی پرورش کر رہی ہیں۔

اس صورت حال میں جرمن حکومت سالانہ اربوں جرمن مارک اس مد پر صرف کر رہی ہے کہ شادی شدہ جوڑے گھر بار بسائیں اور بچے پیدا کریں۔ لیکن پروفیسر مالویس کے بقول "اب حکومت پیسے کے ذریعے بچے پیدا کروانے سے تو رہی"۔

مغرب کی خود اپنے لیے پالیسی تو یہ ہے لیکن قاہرہ کانفرنس میں پاکستانی مسلمان خاتون نفیس صادق صاحبہ سے یہ اعلان کروایا ہے کہ "آئندہ پانچ برسوں میں مانع حمل وسائل مہیا کرنے پر ۴ ارب ڈالر صرف کیے جائیں گے"۔

فرانس

جرمنی کی طرح فرانس میں بھی بچوں پر جنسی اور جسمانی تشدد کی شرح بہت خوفناک ہے۔ بچوں پر جسمانی تشدد کے ضمن میں یہ بات خاص طور پر نوٹ کی گئی ہے کہ ان میں سے اکثر جرائم ان بچوں کی

ماؤں کے عاشقوں، دوستوں یا دوسرے خاوندوں کی طرف سے کیے گئے تھے۔ ان جرائم میں سے ۴۰۰ سے ۶۰۰ تک بچے تشدد کی تاب نہ لا کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ڈیوڈ بیٹن نامی بچہ کا واقعہ فرانسیسی پریس میں خوب نمایاں ہوا۔ ڈیوڈ پر اس کی ماں اور ماں کے دوسرے شوہر نے مل کر سات برس تک ہر طرح کا ظلم روا رکھا، اور ان سات سالوں میں سے ایک پورا سال ایسا بھی تھا کہ جس میں اسے دیوار میں بنی الماری میں مقید کر کے رکھا گیا اور وہ پورا سال روشنی کی کوئی کرن تک نہ دیکھ سکا۔

جسمانی تشدد کے علاوہ جنسی تشدد کے واقعات بھی دل دہلا دینے والے ہیں۔ ایک طلاق یافتہ خاتون ڈاکٹر نے تو اپنے ایک سفارت کار دوست کے کہنے پر اپنی چار سالہ بچی کو بھی خواہش حیوانی کی بھینٹ چڑھا دیا، اور اپنی نظروں کے سامنے۔

پیرس کی عدالت کے ایک ماہر نفسیات رونائی سالیتجار کا کہنا ہے کہ اس طرح کے اکثر جرائم کے پیچھے ٹی وی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ فرانسیسی رسالے "لو یوان" نے ٹی وی پروگراموں کے ایک ہفتے کے تجزیے کے بعد بتایا کہ ایک ہفتے میں ٹی وی پر ۶۷۰ قتل، ۱۵ جبراً آبروریزی، ۲۰ جنسی اور ۲۷ ایذارسانی کے مناظر دکھائے گئے اور ایک سروے کے مطابق فرانسیسی بچہ سال میں ۱۲ گھنٹے ٹی وی سکرین کے سامنے گزارتا ہے، جبکہ ۹۰۰ گھنٹے سکول میں۔ یہ سروے رپورٹ فرانسیسی بچوں کے اصل استاد اور مربی کی نشان دہی کے لیے کافی ہے۔

برطانیا

برطانوی اخبار گارڈین کے مطابق برطانوی بچے عموماً ۱۶ سال کی عمر میں شراب نوشی شروع کر دیتے ہیں، جبکہ ۱۵ برس کی عمر میں برطانوی بچوں کی ایک چوتھائی تعداد منشیات کا استعمال شروع کر دیتی ہے۔ ان منشیات میں سب سے زیادہ استعمال چرس کا ہوتا ہے۔ لڑکوں میں سے ۲۸٫۱ فی صد چرسی ہوتے ہیں جبکہ لڑکیوں میں چرس نوشی کی شرح ۲۱٫۷ فی صد ہے۔

کچھ عرصہ پہلے پورا برطانوی معاشرہ یہ سن کر لرز اٹھا کہ دس دس سال کے دو بچوں نے ایک دو سال کے بچے کو اغوا کیا، پتھروں سے کچل کر مار ڈالا، اور پھر قتل کو حادثے کا روپ دینے کے لیے اس کی لاش ٹرین کے آگے پھینک دی۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ قاتلوں کا مقصد صرف اپنی دیکھی ہوئی فلموں کی نقالی کرنا تھا۔ اس سانحے پر برطانوی معاشرہ چیخ اٹھا اور وزیر داخلہ سے مطالبہ کرنے لگا کہ بچوں کو ایسی ویڈیو فلم دینے پر پابندی لگائی جائے۔ سروے رپورٹوں کا کہنا ہے کہ ایک بچہ ۱۶ سال کی عمر میں تقریباً ۵۰ ہزار قتل کی وارداتیں دیکھ چکا ہوتا ہے۔

برطانوی پریس کی سروے رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں جرائم کی تعداد ۱۱ لاکھ ۱۳ ہزار تک جا

پہنچی ہے۔ اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چوریوں کی اکثر وارداتیں ۲۱ سال سے کم عمر کے بچوں نے کی ہیں۔ گھروں میں چوریوں کی وارداتیں ۱۹۷۲ سے ۱۹۹۴ تک ۱۲۷ فی صد بڑھ چکی ہیں جبکہ جبری آبروریزی کے واقعات میں ۱۹۸۹ سے ۱۹۹۴ تک ۳۲ فی صد اضافہ ہوا ہے۔

جولائی ۱۹۸۹ سے لے کر جون ۱۹۹۰ تک برطانوی پولیس کے پاس درج شدہ جرائم میں درج ذیل اضافہ ہوا ہے۔ چوری کی بڑی وارداتوں میں ۲۵ فی صد، عام گھریلو چوریوں میں ۲۲ فی صد، تشدد کی وارداتوں میں ۶ فی صد اور دہشت گردی کی وارداتوں میں ۱۶ فی صد۔

ان سروے رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ برطانوی معاشرہ مکمل اخلاقی بحران کا شکار ہو چکا ہے۔ اخلاقی دیوالیہ کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو گا کہ بڑے بڑے سیاستدان، فنکار، تاجر اور معاشرے کے "معزز" افراد ٹی وی کی سکرین پر آکر علی الاعلان اپنے ہم جنس پرست ہونے کا اقرار کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

امریکا

امریکی معاشرے کا مطالعہ کرتے ہوئے درج ذیل اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔

مادی تہذیب: ہر امریکی باشندہ مادی ترقی کی دوڑ میں اس بُری طرح مصروف ہے کہ والدین کو اپنی اولاد کی تربیت کا وقت ملتا ہے نہ وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے بچوں کو تنہا گھر میں چھوڑ دیا جاتا ہے یا پھر نرسری میں داخل کروا دیا جاتا ہے جہاں آیائیں اپنی مرضی اور صلاحیت کے مطابق ان کی پرورش کرتی ہیں۔ والدین کی شفقت سے محروم پرورش پانے والے بچے متعدد نفسیاتی اور اخلاقی عوارض کا شکار ہو رہے ہیں جس کے لیے بعض اوقات عدالتوں کو مداخلت کرنا پڑتی ہے۔

سکول کی تعلیم: امریکی سکولوں میں بچوں کی مذہبی تعلیم پر پابندی عائد ہے۔ اس طرح تینوں آسمانی مذاہب کی اخلاقی تعلیمات پر کلاس روم کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ اس صورت حال میں بچے ذہنی خلفشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ کسے اپنا آئیڈیل بنائیں؟ کیا ان اساتذہ کو جو خود بھی متعدد اخلاقی برائیوں کا شکار ہیں یا ریڈیو اور ٹی وی پر آنے والے ان بڑے ناموں کو، جو آئے دن اپنے گھناؤنے اخلاقی جرائم کا علی الاعلان اقرار کرتے رہتے ہیں۔

تعلقاتِ مرد و زن: ابتدائی عمر سے ہی بچوں کے ذہن میں یہ بات راسخ کی جاتی ہے کہ جنس مخالف سے اس کا تعلق اور دوستی بے حد ضروری ہے تاکہ عملی زندگی میں اسے ایک بہتر ساتھی کی تلاش میں آسانی رہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی بچہ جنس مخالف میں سے اپنا کوئی دوست نہیں بنا پاتا تو اس کے والدین اسے ماہرِ نفسیات کے پاس لے جاتے ہیں کہ اسے شاید کوئی نفسیاتی بیماری

لاحق ہے۔

اس کا عملی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دوستی کی تلاش میں سرگرداں بچے اوائل عمر میں ہی جنسی تجربات سے گزر جاتے ہیں۔ اس گھمبیر صورت حال کے پیش نظر بعض امریکی سکول پانچویں کلاس کے طلبہ میں مانع حمل آلات تقسیم کر رہے ہیں۔ اور تیرہ برس کی ہر دس بچیوں میں سے ۹ بچیاں ایسی ہوتی ہین جو اپنے جنسی تعلقات کا فخریہ ذکر کرتی دکھائی دیتی ہیں اور جو ایک باقی بچتی ہے وہ بھی صرف اس لیے کہ اسے کوئی مناسب ساتھی نہیں ملا ہوتا۔ نیو جرسی سٹیٹ میں تو نوبت بایں جا رسید کہ ہر پانچ بچوں میں سے چار بچے ولد الزنا ہوتے ہیں۔

ٹی وی کی مادر پدر آزادی: امریکی سروے رپورٹوں کے مطابق تمام تر قوانین کے باوجود ایک امریکی بچہ تیرہ برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اپنے ذہن میں ایک لاکھ مناظر کسی نہ کسی صورت میں محفوظ کر چکا ہوتا ہے۔ ان میں سے ۸ ہزار مناظر قتل، خودکشی اور تشدد و جنس پر مشتمل ہوتے ہیں۔

طلاق: قانونی طور پر ریکارڈ شدہ طلاق کے واقعات میں ۱۵ فی صد اضافہ ہو چکا ہے، جبکہ طلاق کے جن واقعات کا کوئی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ ان کا شمار مشکل ہے۔ طلاق شدہ ماں یا باپ کے ساتھ رہنے والے بچے بعض اوقات اپنے معاشرے سے اتنے نالاں ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز سے اپنی محرومیوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

یہ ہے وہ مغربی معاشرہ اور اس کی تہذیبی اقدار جس کے پجاری اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کو چھوڑ کر، ماڈرن دکھائی دینے کے شوق میں ملک و ملت کا مستقبل داؤ پر لگانا چاہتے ہیں۔ کیا مغرب کے تمام ناسور اعداد و شمار کی صورت میں کھل کر سامنے آنے کے باوجود بھی ہمارے بھائی اسی مغربی ترقی کے سراب کے پیچھے دوڑتے رہیں گے؟